خرم علیم
ریسرچ سکالر جی سی یونیورسٹی، لاہور

# ''آئینہ خانہ'' کا تنقیدی جائزہ: مزاحمتی تناظر میں

Akhtar hussain jafery is a great poet of Urdu modern poem. Modern poem is being continued as from noon meem rashid and meera g. akhtar's stylistics is very different from his contemporary poets specially in azad poem. Akhtar has been considered a metaphor of resistance. Most of critics has pointed out akhtar's resistance against anti-democratic rulers.

in this article I highlighted this particular property of akhtar's poem.. Aaina khana is his ever impressed book which indicates whole shadow of his work . i discussed aaina khana's poem in perspective of resistance literature.

اختر حسین جعفری کا نام اردو شعر و ادب میں بہت زیادہ تواتر سے تو نہیں لیا جاتا البتہ اُن کے شعری نظام کو نظر انداز کرنا بھی مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ ان کے محض دو شعری مجموعے منظر عام پر آ سکے لیکن ان کے شعری تجربات اور کارناموں کی بدولت انہیں اردو نظم میں ایک معتبر مقام ضرور ملا ہے۔ اختر حسین جعفری کی شعری حسیات نہ صرف عصری معاشی، معاشرتی اور روحانی رویوں کی عکاسی کرتی ہیں بلکہ اجتماعی لاشعور کی پرتوں کو کھولنے کی کوشش کرتی بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کے عہد کی حکومتوں کے استحصالی رویے، اظہارِ رائے پر پابندی، سیاسی اور معاشی عدم استحکام، آمریت کی کالی چادر اور فرد کے گرد زندگی کے تنگ ہوتے گھیرے نے جہاں دیگر حساس دل و دماغ کے حامل افراد کو شعر و ادب کی صورت میں آواز بلند کرنے پر مجبور کیا، وہیں اختر حسین جعفری بھی اس صورتِ حال سے دو چار ہو کر علمِ بغاوت بلند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک طرف آمریت کے ہاتھوں جمہوریت کا قتلِ عام ہوتے دیکھا اور دوسری جانب فرد کی ذاتی اور اجتماعی زبان بندی نے اختر حسین جعفری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ اپنے معاصر افراد کی زبان بننے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح مزاحمتی شاعری کی وہ روایت جو جعفر زٹلی، نظیر اکبر آبادی، حسرت، راشد، فیض سے ہو کر آگے بڑھی تھی، اختر حسین کی صورت میں مزید طاقت پکڑنے میں کامیاب ہو گئی۔

اختر حسین جعفری سے قبل اردو شاعری میں مزاحمت یا تو براہِ راست دکھائی دیتی تھی یا پھر تشبیہ اور استعارے میں ملفوف نظر آتی تھی۔ تاہم راشد اور فیض نے استعارے کو اس قدر وسعت عطا کر دی تھی کہ وہ ہر طرح کے معانی و مفہوم کو اپنے اندر سمونے کی اہلیت پا گیا تھا جب کہ اس منزل کی آخری سیڑھی علامت کی مدد سے طے کرنے کے لیے اختر حسین جعفری نے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔ انہوں نے علامت اور استعارے کو انتہائی بلیغ سطح پر نہ صرف برت کر دکھایا بلکہ اس خوبی سے نبھایا کہ بغاوت کی نمایاں آواز بن گئے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اختر حسین جعفری اُن معدودے چند

شاعروں کی فہرست میں رکھے جانے کے قابل ہیں جنہوں نے منفرد اسلوب کے ساتھ ساتھ اپنا الگ اور بالکل جداگانہ تخلیقی نظام بھی تشکیل دیا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ ان کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک استعارے میں جہانِ معنی کا در کھلتا ہے جس کے بارے میں احمد ندیم قاسمی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

''وہ ایک بے مثال طلسم کار تھا۔ وہ جب جذبے کو چھوتا تھا تو اسے کائنات گیر بنا دیتا تھا اور جب لفظ کو مَس کرتا تھا تو اسے نئے مفاہیم سے جگمگا دیتا تھا۔ ۔۔۔ اس نے اپنی نظموں کے ایک ایک مصرعے کو Perfection کی مثال بنا دیا۔ اس کی شاعری کے معیار اس کی محبت کے معیاروں کی طرح کھرے اور اونچے تھے۔ علامتیں اس کے ہاں بولنے لگتی ہیں اور استعارے اس کے ہاں چمکنے لگتی ہیں۔''(۱)

ایسی شاعری جو فوری طور پر حلق سے نیچے اتر جائے، اختر حسین جعفری کا مقصود نہ تھی۔ انہوں نے ہمیشہ جداگانہ انداز اور اسلوب کو پیشِ نظر رکھا۔ لوگ ان کی شاعری کے بارے میں اور ان کی شاعری کے بارے میں کیا کہتے ہیں، انہوں نے اس کی قطعاً پرواہ نہیں کی بلکہ اپنی ہی ڈگر پر چلتے رہے جس پر چلتے چلتے وہ بیان، اسلوب اور جہانِ معنی کی اس منزل تک پہنچے جہاں ان کا کوئی اور ثانی نظر نہیں آتا۔ مثلاً:

اٹھائیں فرشِ سماعت سے لفظ لفظ کی خشت
صدا کے خشک سمندر کو چھان کر دیکھیں
کہاں ہے جوہرِ صورت کہاں زرِ معنی
جگائیں حرف کو خوابِ سفر سے اور پوچھیں
کہاں وہ قصر ہے جس کے کھلے دریچے میں
دکھائی دیتا ہے مفہوم کا نیا چہرہ
اڑائیں فکر کے باغوں سے تتلیوں کے پرے
پروں نے جن کے چھپا لی ہے اصلِ اندیشہ
وہ روشنائی وہ خوشبوئے غم کشید کریں
شامِ جاں نے جو قرطاس پر نہیں لکھی (۲)

حقیقت یہ ہے کہ اختر حسین جعفری اردو ادب کے وہ واحد شاعر ہیں جن کی شاعری مکمل طور پر مزاحمتی ادب کی ذیل میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کی پہلی نظم سے لے کر آخری نظم تک مسلسل مزاحمتی رویہ دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے عصری معروضی حالات یعنی سیاسی صورتِ حال اور اپنے عہد کے مسائل کو سمجھتے ہوئے ایک بلند ترین سطح پر اپنے تخیل کو الفاظ کا

روپ دیا ہے۔ تاہم ان کی شاعری سمجھنے کے لیے ہمیں علامت اور خواب کے باہمی تعاملات کو سمجھنے کی ضرورت پڑے گی۔

انسان کا ذہن لفظ اور تصویر (Image) کے ذریعے (Medeium) سے سوچتا ہے۔ جس طرح انسان کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی ضرورت ہے، اسی طرح سوچنے کے لیے اسے عکس و الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اختر حسین جعفری کی شاعری میں یہ دونوں اجزا یعنی الفاظ اور امیجز اپنی فن کاری اور بوقلمونی دکھاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ علامات کا بہت موثر اور بلیغ ترین استعمال کرتے ہیں کیونکہ شاعر کے پاس جتنے خواب ہوں گے، اتنی ہی اس کے پاس علامتیں اور استعارے ہوں گے اور اگر شاعر اپنے خواب کو علامتی نظام میں بیان کرنے کا اہل ہو تو اس کے خواب، اس کی علامتیں اور اس کے استعارے قاری کے خواب ، قاری کے استعارے اور قاری کی علامتیں بن جاتی ہیں۔ یوں شاعر اور قاری کے درمیان ابلاغ کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ اختر حسین جعفری نے بھی بہت سے خواب دیکھے اور یہ خواب کسی عام ذہن کے نہیں تھے بلکہ ایک بڑے تخلیق کار کے خواب تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے خوابوں کو علامتوں اور استعاروں اور امیجز میں بیان کیا ہے۔ یہ خواب ہی ہوتے ہیں جو کسی بھی ذہن میں انقلاب اور مزاحمت کے آثار کو تخلیق کرتے ہیں۔ اختر حسین جعفری کے ہاں ہمیں ایک مربوط خواب، علامت کا پیراہن پہنتا دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف بند آنکھوں بلکہ کھلی آنکھوں سے بھی خواب دیکھے اور یہی خواب علامتیں بن کر ''آئینہ خانہ'' میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

بھور سمے اور وافر پانی
میرے قد سے میرے سائے سے بالا، آبی دیواریں
اِک دیوار کے سائے میں اس جسم سے سے دکھ کی کالک دھولُوں
سارے شہر سے چھپ کر رولوں
مٹھی میں جس خواب کا زر ہے
جس سندیس کی خوش بو میرے دیس گئی تھی
وہ کاغذ، وہ پیلا آنسو
دور کہیں پاتال میں نامحرم پتھر کے نیچے رکھ دوں
باہر نکلوں تو ساحل پر ہنستے چہروں کی جگ مگ میں
روئی آنکھ کی سرخی کوئی اور نہ دیکھے(۳)

اختر حسین جعفری کی شاعری میں اس حوالے سے بہت انفرادیت پائی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے شعری نظام کی بھر پور تربیت کی ہے۔ لفظوں کے ذریعے اور سطور کے درمیان معنی کے کئی چاند نظر آتے اور غائب ہو جاتے ہیں مگر کچھ اس انداز

سے کہ قاری سمجھتا ہے کہ اس نے کچھ نیا دیکھا ہے، کچھ نیا پڑھا ہے۔ اُن کی شاعری کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ وہ بہت مہارت کے ساتھ اپنے اسلوب کو بھی منفرد بناتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معنی کو بھی ایک بلند ترین سطح تک لے جاتے ہیں۔ بلا شبہ ان کی شاعری بیسویں صدی کے ادب میں بالکل نئی آواز بن کر ابھرتی ہے۔جعفری صاحب نے اس دور کے انسان کے داخلی اور خارجی مسائل کی بھر پور نمائندگی کی ہے۔ بیسویں صدی میں جہاں انسان لا یعنیت اور بیگانگی کے کرب سے گزر رہا تھا اور اس کے سامنے اپنی ہی شناخت کا بھاری پتھر پڑا ہوا تھا، وہ بے بس بھی تھا اور داخلی آدرش اور سیاسی صورتِ حال میں کھڑا سسک رہا تھا، وہاں پر جعفری صاحب نے اپنی شاعری کے ذریعے داخلی اور خارجی سطح پر مزاحمتی کرب کی خوب نیابت کی ہے۔ اس ضمن میں گوپی چند نارنگ کا یہ بیان ملاحظہ کرنے کے قابل ہے:

> ''حال ہی میں بعض نئے شاعروں نے اردو کا رشتہ ایک بار پھر عالمی رجحانات سے جوڑ دیا ہے۔ ان میں سے وہ رجحانات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو جدید دور کے ثقافتی انتشار، آدرش کے فقدان اور انسان کے بے چہرہ ہونے کے تصور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے زیر اثر جو نئی شاعری لکھی جا رہی ہے، وہ نئی نسل کے اس انسان کی آواز ہے جس کے پاس نہ اقدار کا سرمایہ ہے نہ آدرش کا آئینہ اور جس کا وجود خود اس کے لیے سوالیہ نشان بن گیا ہے۔''(۴)

یہ جدید شاعری کا ہی اعجاز ہے کہ اس نے فرد کو اس امر کا درک دیا کہ حقیقی زندگی کیا ہوتی ہے؟ مثالی معاشرے کیسے قائم ہوتے ہیں اور حقیقی آزادی کیا شے ہے؟ یہ جدید شاعر ہی جس نے گل و بلبل، لب و رخسار، زلف و گیسو کی گفتگو سے نکل کر انسان کے بنیادی مسائل کو بیان کیا ہے۔ وطنِ عزیز بھی ظلم،استحصال، طبقاتی کشمکش، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، عدم رواداری، بار بار مارشل لا کے نفاذ، انسانیت کی تذلیل جیسی غیر اخلاقی معاشرتی اقدار میں گھرا ہوا ہے۔ یہی وہ تازیانہ ہے جو بار بار اختر حسین جعفری کے دل و دماغ پر برستا ہے کیونکہ وہ حقیقی طور پر جمہوریت پسند انسان تھے۔ وہ اپنے وطن اور ہم وطنوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر بڑا شاعر اپنے عہد کا ضمیر ہوتا ہے اور شاعر کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے آدرش اور نظریے میں اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو بھی شامل کرے۔ چنانچہ اختر حسین جعفری نے حاکمِ وقت کے سامنے سچ کی آواز بلند کی اور علمِ حق مسلسل بلند رکھا جب کہ آمرِ وقت کو بھی علم تھا کہ اگر یہ آواز خاموش نہ کی گئی تو شعور دوسرے انسانوں تک منتقل ہو جائے گا۔ اسی لیے اس نے جبراً اس حق کی آواز کو خاموش کروانے کی ہر ممکن سعی کی مگر اختر حسین جعفری نہ صرف اپنے نظریے، اپنے آدرش پر قائم رہے اور اس حوالے سے انہوں نے کسی قسم کے خطرے کی پروا نہ کی۔ وہ اپنا فرض ادا کرتے رہے اور اپنی شاعری میں علامتیں تخلیق کر کے اپنے نظریے کا اظہار کرتے رہے۔ بلا شبہ یہ اعصاب کی جنگ تھی اور اس جنگ میں صرف اختر حسین جعفری ہی نہیں بلکہ ان کے پورے خاندان کو بے شمار خطرے لاحق تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اپنے منصب سے نیچے اترنا یا پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا:

سولی سے عیسیٰ اترے تو تیز ہوا کا زور تھمے
قاتل ہاتھوں کا زخم بھرے
تخت سے عیسیٰ کب اترے گا
عہد ہمارا، عہدِ ملامت، عہدِ خجالت
ایک اپاہج کی بیساکھی کتنے لنگڑوں کے کام آئے
ہم سب لنگڑے اور اپاہج سب کے جسموں پر ناسُور ہیں اور اس کے اعجاز کا
مرہم کم مقدار ہے صبر طلب ہے اور گراں ہے
مریم جس کے بال کھلے ہیں
کب تک وہ ماں اپنے پسر کے حرفِ دعا کا پیشِ عدالت ورد کرے گی
سحرِ ملامت کب ٹوٹے گا
تخت سے عیسیٰ کب اترے گا
سولی سے عیسیٰ اترا تو گردن خم تھی
سولی سے عیسیٰ اترا تو اپنی خبر، اپنے الہام سے شرمندہ تھا (۵)

اختر حسین جعفری کا مزاحمتی رنگ ''آئینہ خانہ'' میں زیادہ واضح دکھائی پڑتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ''سفر کی رات تعاقب میں ہے سگِ مامور'' تو اُن کا مقصد واضح نظر آتا ہے کہ وہ اس سگ سے نالاں و پریشاں ہے جس کو فرد کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہے۔ یقیناً یہاں پر سگ کا استعارہ کسی ایسے فرد کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے حکومت کی جانب سے جاسوسی اور نگرانی پر مامور کیا گیا ہے کہ مخالفین اور باغیوں کا کھوج لگائیں۔ یہ سگ نما افراد قدموں کے نشانات سے اُن بدنوں کا سراغ لگا ہی لیں گے اور اس کام میں چاند بھی بادلوں کی اوٹ سے نکل کر مزید دشمنِ جاں بن جائے گا۔ ''آئینہ خانہ'' کی تمام نظمیں ہی چونکہ مارشل کے تناظر میں لکھی گئی ہیں، اس لیے مزاحمتی استعارے ڈھونڈ نکالنے زیادہ دقت کا کام نہیں۔ قاسم یعقوب لکھتے ہیں:

> ''شاعری انسانی احساسات پر مبنی ہونے کی وجہ سے معاشرتی عروج و زوال کی عکاسی بھی کرتی ہے، یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں معاشرے کے سارے خدوخال بھی دکھائی دیتے ہیں اور دوسری جانب یہ آئینہ خود بھی معاشرے کی تخلیق ہوتا ہے، گویا دونوں ایک دوسرے کی تبدیلی کا سبب ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز رہتے ہیں''۔(۶)

بنیادی انسانی حقوق کی سلبی، ظلم و استبداد کے گہرے بادل، سرکاری اداروں کی بے حرمتی، ہر آنکھ اور ہر زبان پر پہرہ ایک طویل تاریک رات کی سراسیمگی ہے۔ عجیب طرح کی خوف میں لبریز فضا ہے جس کی وجہ سے ہر فرد دہشت زدہ ہے۔ کوئی بھی فرد قدم اٹھانے کو تیار ہے اور نہ ہی کلمہ حق بلند کرنے کو اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سورج، چاند، ستارے، ہوا غرض فطرت کا ہر نمائندہ بھی ظلم و استبداد میں استحصالی قوتوں کا ساتھ دینے پر مجبور ہے۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اختر حسین جعفری نے اس تمام فضا کو ظالم حکمرانوں کے استحصالی رویوں کے استعارے بنا کر پیش کیا ہے۔ بلا شبہ نظم ''آئینہ خانہ'' ان کے تخلیقی وجدان کی عمدہ ترین شکل ہے جسے پچیس ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ٹکڑا ایک تخلیقی اکائی ہے جو اپنی اپنی جگہ پر انفرادی حیثیت کا حامل بھی ہے اور ایک مجموعی تاثر کا پیش کار بھی۔ ڈاکٹر سلیم اختر ایک جگہ بیان کرتے ہیں:

> ''بعض اوقات شاعر غالبؔ کے الفاظ میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کو ''ساغر و مینا'' کے پیرایے میں بیان کرتا ہے۔ یا اقبال کے الفاظ میں ''برہنہ حرف'' نہیں کہتا۔ وہ میرا جی کی مانند نئی علامات سے کام لیتا ہے، راشد کی مانند نئے استعارے لاتا ہے۔ مجید امجد کی طرح نئی لفظیات تلاش کرتا ہے اور اختر حسین جعفری کی مانند بین السطور بھی بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ یوں قاری کو واشگاف واضح اسلوب کی بجائے ایسا اسلوب ملتا ہے جس میں ذہنی طور پر خالی جگہوں کو پُر کرنا پڑتا ہے۔''(۷)

علامت اور استعارے کی طرح اختر حسین جعفری نے تراکیب کو بھی جدت، کثرت اور بوقلمونی عطا کی ہے۔ ترکیب نگاری بذاتِ خود ایک تخلیقی عمل ہے جو الفاظ پر شاعر کی گرفت کی غماز ہوتی ہے۔ غالبؔ، اقبالؔ، مجید امجدؔ، راشدؔ کے بعد اختر حسین جعفری واحد شاعر ہیں جن کے ہاں ہمیں اتنی تراکیب دکھائی دیتی ہیں جنہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔

یہ صبحِ حشر بھی میری ہے، پرسشیں بھی مری
شفاعتیں بھی خود اپنے ہنر سے مانگتا ہوں
اٹھا رہا ہوں زمیں سے دو نیم حرف کا چاند
دکھا رہا ہوں وہ انگشتِ معجزہ جس پر
کہیں ہے مہرِ ستارہ، کہیں خطِ تنسیخ
چھپا رہا ہوں تہِ سنگ استخوانِ صدا
چھپا رہا ہوں وہ مقتل جہاں پہ لفظوں نے
فراقِ حسنِ تمنا نے خودکشی کر لی

وہ یقیں بھی ہیں فردِ حساب میں موجود
کہ جن کا زیورِ غم میں نے خود اتارا ہے
سکوت چھین لیا ہے کہ خود کلام کروں (۸)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اختر حسین جعفری کی شاعری میں تراکیب کی کس قدرت کثرت و ندرت ہے اور یہ تراکیب بہت موثر بھی ہیں۔ یہ تراکیب صرف تراکیب ہی نہیں رہتیں بلکہ اس سے بڑھ کر علامت اور استعارے کے پیکر میں ڈھل جاتی ہیں اور ہر ترکیب اپنے اندر ایک واضح، تند اور بھر پور مزاحمتی رویے کو سموئے ہوئے ہے۔ یہ اعجاز صرف اختر حسین جعفری کے ساتھ مخصوص تو نہیں کیا جا سکتا لیکن انہیں اُن چند شعرا کی صف میں لازمی کھڑا کرنا پڑے گا جنہیں لفظ اور ترکیب پر پوری قدرت حاصل۔ یہ امر محض اختر حسین جعفری کی ترکیب بندی سے مختص نہیں ہے، ان کی مکمل شاعری اس ذیل میں رکھے جانے کے قابل ہے جہاں نظر یہ شاعر کے لفظ لفظ سے ٹپکتا ہی محسوس نہیں ہوتا، قاری کے دل میں اترتا اور شعور کی ایک تازہ لہر وارد کر دیتا ہے جس سے مزاحمتی رویوں کو بھر پور توانائی ملتی ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ڈاکٹر سعادت سعید کے الفاظ میں ''آئینہ خانہ'' کی حقیقت یوں واضح ہو گی:

> ''اختر حسین جعفری کے ''آئینہ خانہ'' میں داخل ہونے والے جن منظروں اور عکسوں کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ تفریحی اور نشاطی یا عشرتی نہیں ہیں دل خون کرنے والے ہیں، درد آفریں ہیں، کربلائی یادیں تازہ کرتے ہیں، شاعر کے تخیل اور خواب کے آئینے میں ان تصویروں کو سامنے لا رہے ہیں، جن سے بچ نکلنے میں کمرشل ادیبوں کا بھلا ہوتا ہے، اگر کسی علاقے سے آزادی اظہار جیسی نعمت کو ختم کر دیا جائے تو حاکموں کے بنائے ہوئے وحشیانہ قوانین پر آزادی سے عمل درآمد ہوتا ہے۔ شاعر اور خصوصاً حقیقی شاعر ایسی صورت حال میں خاموش نہیں رہ سکتا، اگر اقتدار کی جنگوں میں انسانی حقوق کے علم بردار مصلوب ہو جائیں تو عوام کو جابر ہاتھی کچل کر گزر جاتے ہیں، شاعر اور خصوصاً حقیقی شاعران منظروں پر چیخ اٹھتا ہے اور اپنے ضمیری آئینوں کو حقائق کے روبرو لے آتا ہے۔''(۹)

## حواشی و حوالہ جات


۱۔ قاسمی، احمد ندیم، دیباچہ: آخری اجالا مصنفہ: اختر حسین جعفری، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء

۲۔ اختر حسین جعفری، آئینہ خانہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص۸۱، ۸۲

۳۔ اختر حسین جعفری، آئینہ خانہ، ۲۱۴

۴۔ نارنگ، گوپی چند، ادبی تنقید اور اسلوبیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشزن، ۱۹۹۱ء، ص۲۲۵

۵۔ اختر حسین جعفری، آئینہ خانہ، ص۵۵۔۵۶

۶۔ قاسم یعقوب، اردو شاعری پر جنگوں کے اثرات، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱

۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۵

۸۔ اختر حسین جعفری، آئینہ خانہ، ص۱۰۰۔۱۰۱

۹۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، کلاسیکی رکھ رکھاؤ کا جدید شاعر، مشمولہ: فنون، شمارہ نمبر۲۲ مئی تا جون ۱۹۸۵ء، لاہور، ص۲۷۴